اسلام اور انسانی حقوق

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ہم سب جانتے ہیں کہ انسانی حقوق یا ہیومن رائٹس (Human Rights) آج کا ایک زندہ موضوع (Burning Topic) ہے۔ اس پر مختلف پہلوؤں سے گفتگو کا سلسلہ جاری ہے۔ جہاں کہیں ان حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے بعض اوقات اس کا نوٹس بھی لیا جاتا ہے اور اس کی اصلاح کی کوشش بھی ہوتی ہے۔ یہ سب باتیں قابل قدر ہیں۔ مجھے اس موضوع سے ایک عرصے سے دلچسپی رہی ہے۔ اس سلسلے میں میری بعض تحریریں شائع بھی ہوچکی ہیں۔ ان میں '**غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق**' اور '**مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ**' شامل ہیں۔ ایک اور مختصر سی کتاب میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ غیر اسلامی ریاست میں مسلمان کن حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں اور کیسی زندگی گزارتے ہیں؟ یہ کتاب '**غیر اسلامی ریاست اور مسلمان**' کے نام سے چھپ چکی ہے۔ وحدت بنی آدم پر ایک رسالہ بہت پہلے سے شائع شدہ موجود ہے۔ '**بچے اور اسلام**' کے نام سے بھی ایک رسالہ شائع ہو رہا ہے۔ اسی طرح میری کتاب '**اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور**' ایک عرصہ پہلے طبع ہوئی تھی اور الحمد للہ اب تک اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کتابوں کے انگریزی اور دوسری زبانوں میں تراجم بھی موجود ہیں۔

میں نے اپنی کتاب 'اسلام- انسانی حقوق کا پاسبان' میں اس موضوع پر براہِ راست بحث کی ہے۔ اس کتاب کی بنیاد پر میں نے اکتوبر ۲۰۰۴ء میں، مرکز جماعت اسلامی ہند میں ایک مبسوط تقریر کی تھی جو بعد میں نظر ثانی اور حذف و اضافہ کے بعد کتابچہ کی شکل میں شائع ہوئی۔ اب یہی کتابچہ مزید اصلاح و ترمیم کے بعد دوبارہ شائع ہورہا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ 'Islam and Human Rights' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ میری کتاب 'کم زور اور مظلوم- اسلام کے سایے میں' بھی اس موضوع کے سلسلے میں مفید اور معاون ہوسکتی ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی دست یاب ہے۔

انسان کے حقوق کا تعلق اس کے وجود و بقا اور اس کی فلاح و بہبود سے ہے۔ ان تحریروں میں اس اہم موضوع پر اسلام کی تعلیمات اور اس کے موقف کو پیش کرنے کی ممکنہ حد تک کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور کوتاہیوں سے درگزر کرے۔

جلال الدین عمری

یکم اگست ۲۰۱۶ء

مغرب میں انسانی حقوق کی تحریک

انسانی حقوق کے بارے میں بعض حلقوں میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اس کا احساس جیسے آج ہے، اس سے پہلے نہیں تھا۔ انسانوں کی اکثریت انسانی حقوق سے محروم تھی اور ظلم کی چکی میں پس رہی تھی۔ کبھی کہیں سے کوئی آواز اٹھتی بھی تو سماج کے طاقت ور افراد اور طبقات کے زور اور اقتدار کے نیچے دب جاتی۔ اس کی آزادی کا صحیح معنوں میں احساس مغرب کو ہوا اور مغرب ہی نے اس کا واضح تصور دیا۔ کہا جاتا ہے کہ فرانس کے الفانسو شاہ نہم نے یہ قانون منظور کیا یا اس سے منظور کرایا گیا کہ کسی کو بلاوجہ قید نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے لفظوں میں حبسِ بے جا کو کالعدم قرار دیا گیا۔ اسے انسانی حقوق کی تاریخ میں بہت بڑا اقدام سمجھا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد فرانس ہی میں روسو پیدا ہوا۔ اس کی کتاب کا اور اس نے انسانی آزادی کا جو تصور دیا اس کا بڑا چرچا رہا۔ اس نے کہا کہ انسان فطرتاً آزاد ہے اور اسے آزاد ہونا چاہیے۔ اس کتاب کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا اور بڑی انقلابی کتاب سمجھی گئی۔ اردو زبان میں بھی اس کا ترجمہ موجود ہے۔ اس کتاب کے بعد فرانس میں ایک طرح کی ہلچل پیدا ہوئی اور 'Declaration of 'Rights of Man نامی اعلانیہ شائع ہوا، جس میں انسانی حقوق کا تذکرہ تھا۔

اقوامِ متحدہ کا عالمی منشور اور اس کی بنیادیں

۱۰ر دسمبر ۱۹۴۸ء میں اقوامِ متحدہ نے حقوقِ انسانی کا عالمی منشور (The

Universal Declaration of Human Rights) منظور کیا۔ اسے اس سلسلے کا بڑا انقلابی قدم سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انسانی حقوق کا بہت ہی صاف اور واضح تصور اس کے اندر موجود ہے اور انسانوں کو ظلم و زیادتی سے بچانے کی کام یاب کوشش کی گئی ہے۔

اس منشور کی اساس تین امور پر ہے

۱-فرد کی آزادی

۲- عدل و انصاف ___ اور

۳- مساوات

ماہرین قانون کے نزدیک یہ اس اعلانیے کی بنیاد ہیں۔ ان پر عمل ہو تو سماج میں فرد اور سماج کے تمام حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اس منشور کی خامیاں

اس منشور میں بعض خامیاں بھی ہیں اور عملی رکاوٹ بھی ہے۔ ایک یہ کہ یہ منشور منظور تو ہوگیا، لیکن اس کے پیچھے کوئی قوتِ نافذہ نہیں ہے۔ اگر کوئی ملک، خاص طور پر کوئی طاقت ور ملک اس کی خلاف ورزی کرے تو اسے اس کا پابند بنانے کی کوئی ٹھوس اور مؤثر تدبیر اس میں تجویز نہیں کی گئی ہے۔ اس کا ثبوت آپ آج کی دنیا میں دیکھ سکتے ہیں۔ ایک بڑا ملک اپنی طاقت کے زعم میں پوری دیدہ دلیری کے ساتھ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور کوئی اسے روکنے والا نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس میں مذہبی آزادی کو تسلیم کیا گیا ہے، لیکن اس آزادی کے صحیح معنوں میں حدود متعین نہیں ہوئے ہیں۔ فرض کیجیے کہ اگر مذہبی آزادی کا تصور صرف یہ ہے کہ آدمی پوجا پاٹ کرے، عبادت گھر میں جا کر اللہ کا ذکر و فکر کرے، مسجد میں نماز پڑھ لے، چرچ میں اپنے مذہب کے مطابق رسوم بجا لائے، گردوارے میں

چلا جائے یا جس کی جو عبادت گاہ ہے اس میں پہنچ کر عبادت کے مراسم ادا کرلے تو یہ بھی ایک آزادی ہے۔ اس سے آگے کچھ خاص معاشرتی امور کی حد تک آزادی دے کر کہا جاسکتا ہے کہ یہ مذہبی آزادی ہے۔ لیکن اسلام کے معاملے میں مشکل یہ ہے کہ اسلام پوری زندگی کے بارے میں ہمیں ہدایات دیتا ہے اور ایسا کوئی دستور نہیں ہے جو یہ کہے کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کے تمام احکام پر چلنے کی آزادی ہے۔ وہ اپنے دائرے میں اپنا قانون نافذ کرسکتے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ مغرب میں چرچ نے اور اس کے زیر اثر برسرِ اقتدار طبقہ نے انسان کی آزادیِ فکر وعمل اور اس کے بنیادی حقوق کے سلسلے میں انتہائی غلط رویہ اختیار کیا، جس کا اصل مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے ردِّ عمل میں حقوق انسانی کا موجودہ تصور ابھرا۔ اس میں مذہب کے حقیقی رول کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو پیغمبر دنیا میں آئے ان کی کیا تعلیمات رہی ہیں؟ ان کو اور ان کے مخلص اصحاب کو اقتدار ملا تو ان کا کیا رویہ رہا ہے؟ اور انسانیت کس طرح فلاح سے ہم کنار ہوئی ہے؟ تاریخ کا یہ ایک اہم سوال ہے، لیکن یہ سوال کہیں زیر بحث آتا ہی نہیں۔ جیسے یہ طے کرلیا گیا ہو کہ مذہب سے ہٹ کر یا مذہب کو نظر انداز کر کے گفتگو کی جائے گی۔ اس کو کسی بھی طرح معروضی یا غیر جانب دارانہ مطالعہ نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ جانب دارانہ مطالعہ ہے، جس میں پہلے سے طے کرلیا گیا ہے کہ مذہب کا حقیقی کردار زیر بحث نہیں آئے گا، بلکہ اسے نظر انداز کیا جائے گا۔

اسلام اور انسانی حقوق

یہ ایک واقعہ ہے اور اسلام اسے تسلیم کرتا ہے کہ انسانوں پر ظلم و زیادتی ہوتی رہی ہے اور آدم کے پہلے ہی بیٹے نے ظلم و زیادتی کی تھی، لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جن مقاصد کو لے کر دنیا میں آتے ہیں ان میں ایک بنیادی مقصد زمین پر عدل و انصاف کا قیام اور ظلم کا خاتمہ ہے۔ ظاہر ہے، اس مقصد کو انھوں نے دنیا میں عام کرنے اور پھیلانے کی سعی بھی کی اور جب کبھی انھیں اقتدار ملا تو دنیا میں عدل و انصاف کی بہار آ گئی۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، تاریخ کے ایک طویل عرصے تک اس کی فرماں روائی رہی ہے، اس کے قوانین متمدن دنیا کے بڑے حصے میں نافذ رہے ہیں۔ ان قوانین کا مطالعہ صاف بتاتا ہے کہ یہ قوانین عدل و انصاف کے تقاضے ہر پہلو سے پورے کرتے ہیں اور ان میں وہ تمام حقوق انسانوں کو دیے گئے ہیں، جن کا آج تذکرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن جب کبھی اسلام کا ذکر آتا ہے تو ایک تو صحیح معنوں میں اس کے عادلانہ کردار کو تسلیم نہیں کیا جاتا، دوسرے یہ کہا جاتا ہے کہ آج کا جو معیار فکر و نظر ہے، یا آج، انسان تہذیب و تمدن کے لحاظ سے جہاں پہنچ چکا ہے اور جو اس کے تقاضے ہیں، اسلامی تعلیمات اس سے کم تر درجے کی ہیں۔ وہ دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اور عدل و انصاف کا جو اعلیٰ معیار ہونا چاہیے، اس نے بہت سے معاملات میں وہ معیار قائم نہیں رکھا ہے۔ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اسلام ان حقوق کی حفاظت کرتا ہے، اس لیے کہ اسلام ہی کے نام پر ظلم و

زیادتی اور دہشت گردی ہو رہی ہے، لوگوں کا خون بہایا جا رہا ہے اور جو لوگ یہ کام کر رہے ہیں وہ اسلام ہی کے حوالے سے کر رہے ہیں۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام عدل و انصاف اور انسانی حقوق کا محافظ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کہیں فی الواقع ظلم ہو رہا ہے یا دہشت گردی پائی جاتی ہے تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام حقوقِ انسانی کا پاسبان بن کر آیا ہے، اگر کوئی فرد یا گروہ انھیں پامال کر رہا ہے تو اسے اسلام کی سند ہرگز حاصل نہ ہوگی۔

اسلامی قانون کے مآخذ

اسلام نے انسان کو وہ تمام حقوق دیے ہیں اور ان کی حفاظت کا جذبہ پیدا کیا ہے، جن کا آج دنیا میں چرچا ہے۔ اور موجودہ حالات سے زیادہ مشکل حالات میں اس نے یہ حقوق دیے ہیں۔ اس کی تفصیل قرآن اور حدیث میں موجود ہے جو اسلامی قانون کے بنیادی مآخذ ہیں۔ بعض اوقات ان قوانین کو جاننے اور سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ اس لیے کہ قرآن یا احادیث میں ان حقوق کا ذکر قانون کی مروّجہ زبان میں نہیں ہوا ہے۔ قانون کی کتابوں میں جس طرح قوانین دفعہ وار لکھے جاتے ہیں، اس طرح قرآن و حدیث میں قوانین نہیں بیان ہوئے ہیں، بلکہ یہ اس کی عام تعلیمات کا ایک حصہ ہیں۔ اسی طرح اس نے بالعموم کسی قانون کا ذکر ایک ہی مقام پر نہیں کیا ہے، بلکہ اس کے ایک پہلو کا ایک جگہ ذکر ہے تو دوسرے پہلو کا دوسری جگہ۔ کچھ اور پہلو تیسری جگہ زیر بحث آئے ہیں۔ ان سب کو ملانے سے اس کی صحیح نوعیت سامنے آتی ہے، اس کے لیے بسا اوقات احادیث کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، جو اس کی تفصیلات فراہم کرتی ہیں۔ جب تک یہ تفصیلات سامنے نہ ہوں اسے ٹھیک سے سمجھا نہیں جا سکتا۔

قرآن و حدیث کے احکام و قوانین کی تشریح و توضیح امت کے قابل اعتماد علماء و فقہاء نے کی ہے، جو ایک وسیع فقہی ذخیرہ کی شکل میں موجود ہے۔ اس میں احکام سے

متعلق نصوص کا، ان کے معنی و مفہوم کا اور ان کے اغراض و مقاصد کا انتہائی باریک بینی سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ اسلامی قانون پر غور کرتے وقت اسے پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس سے اس کے مختلف، پہلوؤں کو سمجھنے اور موجودہ حالات پر انطباق میں مدد ملتی ہے۔

بنیادی تصورات

اسلام نے انسان کو جو حقوق دیے ہیں ان پر گفتگو سے پہلے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس کائنات اور انسان کے بارے میں اس کا ایک خاص نقطۂ نظر ہے۔ اس کی بنیادی اہمیت ہے۔ اس کی بعض اصولی تعلیمات ہیں، جن سے وہ کسی حال میں انحراف کی اجازت نہیں دیتا اور اس کا کوئی قانون ان تعلیمات سے متصادم نہیں ہے۔ اگر آپ کوئی قانون وضع کریں یا نافذ کرنا چاہیں تو آپ اس بات کے پابند ہوں گے کہ وہ ان بنیادی تعلیمات سے نہ ٹکرائے، ورنہ اسے اسلام کی سند نہ حاصل ہوگی۔ مثال کے طور پر قرآن کہتا ہے کہ اس دنیا کا خالق و مالک اللہ ہے، ہر چیز اس کی ملکیت ہے۔ یہ اس کا ایک بنیادی تصور ہے۔ اس تصور نے ہر ظالم اور جابر کا اقتدار ختم کر دیا ہے اور اسے بتا دیا ہے کہ تم مالک نہیں ہو، مالک تو اللہ ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو اس حیثیت سے تسلیم کرتا ہے تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے پاس اقتدار ہے اور میں بادشاہ ہوں، میں کسی بڑی جائداد اور پراپرٹی کا مالک ہوں یا لینڈ لارڈ ہوں، یا میں صنعت کار ہوں، یا سماج میں مجھے اونچی حیثیت حاصل ہے، اس لیے جو چاہے کرسکتا ہوں۔ جب اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے تو انسان اس کی ملکیت میں اس کی مرضی ہی سے تصرف کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت و طاقت یا وسائل و ذرائع کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کرسکتا۔ اسے اگر وہ اللہ کے بندوں پر ظلم و زیادتی کے لیے استعمال کرتا ہے تو اپنے اختیار کا ناروا استعمال کرتا ہے۔ ایک اور مثال لیجیے۔ وہ کہتا ہے کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ایک بنیادی تصور ہے۔ وہ جب تک چاہتا ہے انسان دنیا میں زندہ رہتا ہے۔

بعض بچے ماں کے پیٹ ہی میں مرجاتے ہیں۔ کوئی پیدا ہوتے ہی دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔ کوئی عین جوانی میں چل بستا ہے، کسی کو موت بڑھاپے میں آتی ہے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ کوئی آدمی اس دنیا میں کب تک زندہ رہے گا، یہ اللہ کا کام ہے۔ اس سے زندگی سلب کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، اور اگر کرے گا تو اللہ کے اقتدار میں دخل دے گا اور اس کی سزا پائے گا۔ اسی طرح وہ کہتا ہے کہ انسان اللہ واحد کا بندہ بن جائے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس میں اس بات کا اعلان ہے کہ انسان پر حکومت صرف اللہ کی ہوگی اور کسی دوسرے کو اسے غلام بنانے کا حق نہیں ہے اور ہر اقتدار کو اللہ کے اقتدار کے تابع ہونا چاہیے۔ اس سے آزاد ہوکر کسی انسان پر دوسرے انسان کا نہ تو سیاسی اقتدار جائز ہے اور نہ مذہبی اقتدار۔ اسی طرح قرآن کہتا ہے کہ انسان محترم ہے۔ اس کے احترام کے بہت سے پہلو ہیں۔ اسے اس کے فطری حقوق سے محروم کرنا اس احترام کے منافی ہے۔ اگر انسان کو ذلیل کیا گیا تو وہ محترم نہیں رہا، ذلیل ہوا۔ قرآن اس کے خلاف ہے۔ اس طرح اس نے جو بنیادی تصورات دیے ہیں، قانون سازی میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ دنیا کے ہر دستور میں تمہیدی باتیں ہوتی ہیں یا رہ نما اصول ہوتے ہیں۔ اسلام کے ان بنیادی تصورات کو آپ رہ نما اصول کہہ سکتے ہیں۔ ان سے انسانی حقوق کا متعین تصور ابھرتا ہے اور انھیں ایک رخ ملتا ہے۔ اسلام کے نزدیک قانون دینے کا حق صرف اللہ کو ہے۔ اور انسان اس قانون کا پابند ہے۔ ہاں اس کے عطا کردہ قانون کی روشنی میں وہ حالات کے لحاظ سے اجتہاد کرسکتا ہے۔ کسی کو فرماں روائے مطلق بننے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت بڑے سے بڑا حاکم اور محکوم دونوں زندگی گزار سکتے ہیں۔ اسلام نے صرف قانون ہی نہیں دیا ہے، بلکہ اس سے آگاہ بھی کیا ہے کہ اس قانون پر عمل نہ ہو تو اللہ کے یہاں سخت باز پرس ہوگی۔ وہ آخرت کی جزا و سزا کا تصور پیدا کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس قانون پر عمل کرنا نسبتاً آسان

ہو جاتا ہے۔ اگر آخرت پر یقین ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی کو باعثِ اجر وثواب سمجھے گا اور اس کی نافرمانی سے خوف کھائے گا۔

حقِ حیات

حقوق کئی طرح کے بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک تو انسان کے شخصی اور ذاتی حقوق ہیں۔ انسان ہے تو اسے کچھ حقوق لازماً ملنے چاہیے۔ سب سے پہلا اور بنیادی حق، حقِ حیات ہے۔ روئے زمین پر پیدا ہونے والے ہر فرد کا حق ہے کہ اسے زندہ رہنے دیا جائے۔ کوئی شخص اگر قرآن مجید کا صرف سرسری انداز میں بھی مطالعہ کرے تو دیکھے گا کہ قرآن نے اس حق کو کتنی اہمیت دی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر انسان جو پیدا ہوتا ہے، حق حیات لے کر پیدا ہوتا ہے۔ جو لوگ اس کے اس حق کو پامال کر رہے تھے، اس نے ان کے خلاف آواز بلند کی۔ بعض لوگ نادانی سے، کبھی معاشی تنگی کی بنا پر، کبھی شرم و حیا کے جذبہ سے اور کبھی مذہبی نقطۂ نظر سے انسان کی جان کا احترام نہیں کر رہے تھے۔ قرآن نے ان کو سخت وعید سنائی۔ اس نے کہا کہ کسی کو کسی کی زندگی سلب کرنے کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔ یہ بات اتنی وضاحت اور اتنے مختلف طریقوں سے کہی گئی ہے، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قرآن انسان کی زندگی کا سب سے بڑا وکیل ہے۔ قانون کے ماہرین کہتے ہیں کہ کوئی حق مطلق نہیں ہوتا، اس میں استثنا بھی ہوتا ہے، اس کے ساتھ شرائط بھی ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی قرآن ہی نے واضح کی ہے کہ کوئی حق مطلق نہیں ہے اور کسی حق کے بارے میں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بالکل Absolute ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسانی جان محترم ہے، لیکن کبھی وہ اپنا احترام کھو دے گی اور انسان کا حقِ حیات ختم ہو جائے گا، بشرطے کہ حق و انصاف اس کا تقاضا کرتے ہوں۔ وہ اہل ایمان کے بارے میں کہتا ہے:

وَلاَ یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلاَّ بِالۡحَقِّ (الفرقان:٦٨)

وہ انسانی جان کو، جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے، قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ۔

مطلب یہ کہ حق و انصاف کا تقاضا ہو تو انسانی جان لی جاسکتی ہے، لیکن اگر حق و انصاف اجازت نہ دے تو کسی بھی شخص کو، خواہ وہ وقت کا بادشاہ اور مملکت کا فرماں روا ہی کیوں نہ ہو، یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ کسی کو اس کے زندہ رہنے کے حق سے محروم کردے۔

حقِ مساوات

انسانی حقوق کی وکالت کرنے والوں نے مساوات کو بہت سے حقوق کی اساس قرار دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی تصور سے تمام حقوق نکلتے ہیں کہ سارے انسان مساوی حیثیت کے مالک ہیں۔ ان میں عورت، مرد، بڑے، چھوٹے، امیر، غریب، مالک اور مزدور سب کا درجہ ایک ہے۔ ان میں رنگ و نسل، وطن، علاقے، جنس اور صنف کی بنا پر کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ مساوات کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ اس کی آواز جتنے زوردار طریقے سے اسلام نے بلند کی، اس سے زوردار آواز شاید کبھی بلند نہیں ہوئی۔ قرآن مجید نے واضح الفاظ میں اعلان کیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنا دیے، تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے اور خبر رکھتا ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے جو بے نظیر خطبہ دیا، جسے اسلامی حقوق کا منشور کہیں تو بے جا نہ ہوگا، اس میں آپؐ نے فرمایا:

لاَ فضل لعربی علٰی عجمی ولاَ لعجمی علٰی عربی ولاَ لِاَحمر علٰی اسود ولاَ لِاسود علی احمر اِلّا بالتقوٰی (مسند احمد)

نہ تو عربی کو عجمی پر اور نہ عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے، الاّ یہ کہ (کسی میں) تقویٰ ہو۔

اس میں آپ ﷺ نے سب سے پہلے عرب کا ذکر فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کے ذریعے اسلامی انقلاب آیا تھا۔ عرب اس وقت تختِ حکومت پر فائز اور فرماں روا تھے۔ ان سے کہا گیا کہ یاد رکھو، کسی عربی کو کسی عجمی پر فوقیت نہیں ہے اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ’اِلّا بالتقوی‘ ہاں اگر کسی کے دامن میں تقویٰ اور خدا ترسی کی دولت ہے تو وہ افضل اور برتر ہے، اس کا احترام ضرور ہونا چاہیے، سوسائٹی میں اس کی عزت ہونی چاہیے۔ اس کی جگہ یہ دیکھنا کہ کون گورا ہے، کون کالا؟ کون عربی ہے اور کون عجمی؟ کس کا کس ملک سے تعلق ہے؟ اور کون مرد ہے اور کون عورت؟ ناجائز اور غیر اسلامی رویہ ہے۔ یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب دنیا مساوات کا واضح تصور تک نہیں رکھتی تھی۔

عدل و انصاف

انسان کا ایک بنیادی حق یہ مانا جاتا ہے کہ اسے عدل و انصاف حاصل ہو۔ اس معاملہ میں اسلام کا موقف بالکل واضح ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ بات پورے زور اور قوت کے ساتھ کہی گئی ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کے ساتھ بے لاگ عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے۔ وہ عدل وقسط کے قیام کو اللہ کے رسولوں کی بعثت کا ایک اہم مقصد قرار دیتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (الحدید:۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا (ان کی رسالت پر) کھلی کھلی دلیلیں دے کر، ان پر ہم نے کتاب نازل کی اور (عدل و انصاف کے قیام کے لیے) میزان دی، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس میں جنگ کا سامان ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں۔ یہ اس لیے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ کون اسے دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوی اور عزیز ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو دلائل عطا کیے۔ ان پر

کتابیں نازل کیں اور قانونِ عدل و انصاف عطا کیا۔ اس نے لوہا بھی پیدا کیا۔ اس کے بہت سے زراعتی، صنعتی اور تعمیراتی فائدے ہیں۔ اس سے سامانِ جنگ بھی تیا رہوتا ہے۔ اللہ کے رسول اس طاقت کو عدل و انصاف کے قیام کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ کون اس مقصد میں ان کا ساتھ دے رہا ہے۔ عدل و انصاف کا قائم کرنا اور اس کے لیے طاقت حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا راستہ ہے، اسلام کے ماننے والوں کے لیے لازم ہے کہ وہ طاقت کو اسی کے لیے استعمال کریں۔

قانون کی برتری

مساوات اور عدل و انصاف کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ معاشرے میں قانون کو برتری حاصل ہو، تاکہ ہر شخص اس اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکے کہ قانون اس کی پشت پر ہے اور اس کے ساتھ کوئی ناانصافی یا اس کی حق تلفی نہ ہوگی۔ یہ بات اس طرح کہی جاتی ہے جیسے اس سے پہلے دنیا میں اس کا تصور ہی نہیں تھا۔ اسلام نے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ کہی ہے کہ قانون کے سامنے سب برابر ہیں۔ اس کے مقابلہ میں کسی کو دم مارنے کی اجازت نہ ہوگی۔ مشہور واقعہ ہے جو صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہے کہ بنومخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو رسول ﷺ سے درخواست کی گئی کہ اس عورت نے چوری کی ہے، لیکن شریف گھرانے کی ہے، اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، کوئی اور سزا دے دی جائے۔ نبی ﷺ کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ آپؐ نے فرمایا کہ قومیں اسی طرح تباہ ہوئی ہیں کہ ان میں جو بااقتدار اور شریف سمجھے جاتے تھے انھوں نے اگر کوئی غلط کام کیا تو ان کو سزا نہیں دی گئی اور جو کم زور تھے ان کو سزا دی گئی۔ پھر اس کے بعد وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو شاید پیغمبر ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا

محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

قانون کی برتری کا اس سے بلند تصور نہیں پیش کیا جاسکتا کہ قانون سب کے لیے ہو۔ بڑے کے لیے بھی چھوٹے کے لیے بھی، مرد کے لیے بھی، عورت کے لیے بھی، سردارِقوم اور فرماں روائے سلطنت کے لیے بھی اور زیردست اور ماتحت کے لیے بھی۔ اس سے کوئی مستثنٰی نہ قرار پائے۔ یہ اتنا صاف اور واضح تصور ہے کہ اس سے زیادہ وضاحت نہیں کی جاسکتی اور اس سے برتر اور پاکیزہ تر تصور دنیا میں آج بھی کہیں نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انصاف کے لیے ضروری ہے کہ جرم عدالت سے ثابت ہو۔ اس کے بغیر سزا نہ دی جائے۔ یہ تصور بھی شاید اسلام ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

واللّٰہ لاَ یوسر رجل فی الْاسلام بغیر عدول (موطا مالک) قسم خدا کی، کسی شخص کو قید نہیں کیا جائے گا جب تک کہ عادل لوگ اس کے مجرم ہونے کی گواہی نہ دیں۔

اسلام نے اثباتِ جرم کے لیے قانونِ شہادت کا پورا ضابطہ دیا ہے۔ اسی کے تحت کسی کو مجرم قرار دیا جاسکتا اور سزا دی جاسکتی ہے۔

معاشی جدوجہد کی آزادی

انسان کا یہ بھی ایک حق تسلیم کیا جاتا ہے کہ اسے اپنی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے سعی و جہد کی آزادی حاصل ہو، اس میں بے جا بندشیں نہ ہوں۔ اسلام کا نقطۂ نظر اس معاملے میں بالکل واضح ہی نہیں، بہت وسیع ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پوری زمین میں انسانوں کے فائدے کی چیزیں رکھی گئی ہیں: وَ جَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ ط (الاعراف:۱۰) یعنی زمین میں اللہ تعالیٰ نے ذرائع معاش رکھ دیے ہیں۔ ان سے استفادے کا ہر فرد کو حق حاصل ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا وَ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ ط (الملک:۱۵) زمین کے کناروں پر چلو اور اللہ نے اس میں جو رزق رکھا ہے (اسے حاصل کرو) اور کھاؤ۔

اسلام کے نزدیک حصولِ معاش کی راہ میں کوئی ناروا پابندی قانوناً جرم ہے۔

اسلام انسان کو معاشی جدوجہد کی آزادی فراہم کرنے کے ساتھ اس بات کو بھی یقینی بناتا ہے کہ اسے اچھی غذا ملے۔ وہ گندی غذا اور گلی سڑی چیزیں کھانے پر مجبور نہ ہوجائے۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کا انسان پر یہ احسان ہے کہ اسے 'طیبات' دی گئی ہیں۔ انسان اس لیے نہیں ہے کہ وہ گندی اور آلودہ چیزیں کھائے۔ اس کا حق ہے کہ اسے طیب اور پاک صاف غذا ملے۔ اس حق کے لیے وہ خود بھی سعی کرے گا اور ریاست بھی اس کی مدد کرے گی۔ یہ اس کا قانونی حق ہے۔ اس کے نزدیک لباس بھی انسان کی ایک فطری ضرورت ہے۔ آدم علیہ السلام سے جب جنت کا لباس چھن گیا اور وہ برہنہ ہوگئے تو درخت کے پتوں ہی سے اپنے قابل ستر حصوں کو چھپانے لگے۔ اسلام کی رُو سے انسان کی یہ فطری ضرورت لازماً پوری ہونی چاہیے۔ اسی طرح اسے مکان ملنا چاہیے اور حسبِ سہولت اس کے پاس خادم بھی ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص کو ہم سرکاری خدمت پہ لیں گے اگر اس کی شادی نہیں ہوئی ہے تو اس کو یہ حق ہے کہ بیت المال سے شادی کا خرچ حاصل کرے۔ اپنے لباس اور پوشاک کا انتظام کرے۔ وہ اپنے لیے مکان بھی بنا سکتا ہے اور سواری بھی رکھ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کا حق اس کو نہیں ہوگا'' (بیہقی)۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ ریاست کی معاشی حالت کیا ہے؟ بہر حال اسلامی ریاست یہ ذمے داری لیتی ہے کہ کوئی شخص بھوکا پیاسا نہ رہے اور کوئی شخص یہ نہ محسوس کرے کہ اب میرا کوئی پوچھنے والا نہیں رہا۔ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: 'من ترک مالاً فلورثته' یعنی کوئی شخص اس حال میں دنیا سے گیا کہ اس نے مال چھوڑا ہے تو یہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔'و من ترک دینا او ضیاعاً فلیأتی فانا مولاہ'۔ مطلب یہ کہ کسی نے جائز ضرورت کے تحت قرض لیا اور ادا نہ کر سکا۔ اسی حالت میں وفات پا گیا یا بال بچے چھوڑے اور ان کی ضروریات کے لیے مال نہیں چھوڑا تو وہ میرے پاس آئے۔ میں اس کا ولی اور سرپرست ہوں۔ اس کی

نگہ داشت میرے ذمے ہے۔ اس سلسلے میں علماء نے لکھا ہے کہ ریاست کی ذمے داری ہے کہ کوئی فرد اور کوئی بچہ بھوکا نہ رہے۔ اس کی ضروریات پوری ہونے سے نہ رہ جائیں۔ خاندان میں اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے تو ریاست اس کی ضروریات پوری کرے گی۔ معاشی تگ و دو کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ انسان دنیا کو مقصود نہ بنائے کہ درست یا نا درست ہر طریقہ سے اسے حاصل کرنے میں لگ جائے۔

معاشرتی وسماجی حقوق

حقوق کے ذیل میں سماجی ومعاشرتی حقوق کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ اسے لازماً ملنے چاہئیں۔ سماجی اور معاشرتی حقوق کا تصور یہ ہے کہ آدمی سماج اور معاشرے میں اپنا فعّال کردار (Active Part) ادا کرسکے۔ یہ اس کا حق ہے کہ اسے بے کار یا عضو معطل بنا کر نہ رکھ دیا جائے۔ اس پر ایسی پابندیاں نہ ہوں کہ وہ کچھ نہ کرسکے۔ اسلام میں اس کا تصور بالکل واضح ہے۔ اسلام فکر وعمل کی آزادی کا قائل ہے۔ جو لوگ غور وفکر نہیں کرتے ان کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ انھیں کیا ہوگیا ہے کہ جانوروں کی طرح بے سوچے سمجھے زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ دنیا کے آغاز و انجام پر غور کریں اور سمجھیں۔ عمل کی بھی وہ پوری آزادی دیتا ہے۔ صرف اس بات کا پابند بناتا ہے کہ انسان کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے، جس سے فساد پھیلے اور معاشرہ کو نقصان پہنچے۔ پیغمبروں کی دعوت کی اولین بنیاد توحید ہوتی تھی، یعنی یہ کہ اللہ واحد کی عبادت کی جائے، پھر وہ کہتے تھے:

لاَ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلاَحِهَا	زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ (الاعراف:۸۵)

اللہ نے اپنے قانون کے ذریعے زمین میں اصلاح کی ہے۔ اس میں بگاڑ نہ پیدا کرو۔ اللہ نے اپنے قانون کو اصلاح کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس پر عمل کرو، اسے چھوڑ کر فساد کی راہ نہ اختیار کرو۔

خاندان بسانے کا حق

انسان کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے خاندان بسانے کی اجازت ہو۔ اس لیے کہ خاندان انسان کی ایک فطری ضرورت ہے۔ اس معاملے میں اسلام کی تعلیمات بہت واضح ہیں۔ خاندان کے سلسلے میں اس سے بڑی بات اور کیا کہی جاسکتی ہے کہ اس کے نزدیک وہ خدا کا عطیہ اور انعام ہے۔ آدمی کے بیٹوں اور پوتوں کا پھیلنا اس کے لیے زحمت نہیں، بلکہ باعثِ رحمت ہے۔ اس کے ساتھ اسلام نے خاندان کا پورا سسٹم دیا ہے اور افرادِ خاندان کے حقوق اور ذمہ داریوں کا واضح تعین کیا ہے۔ خاندان کو باقی رکھنے اور ان حقوق اور ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا ہر ایک کو پابند بنایا ہے۔

پردہ داری کا حق

تنہائی اور خلوت (Privacy) کو بھی انسان کا ایک حق تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآن نے نہ صرف یہ کہ یہ حق دیا ہے، بلکہ اس کی تاکید کی ہے کہ کسی کی نجی زندگی میں مداخلت نہ کی جائے، یہاں تک کہ حکومت کو بھی اس میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔

اظہارِ خیال کی آزادی

اظہارِ خیال کی آزادی انسان کا ایک بنیادی حق ہے۔ اسلام انسان کے اس حق پر کسی بھی ناروا پابندی کو درست نہیں قرار دیتا، البتہ وہ اس بات کا اسے پابند بناتا ہے کہ اظہارِ خیال کے نام پر فحاشی اور بے حیائی نہ پھیلائے، کسی کی دل آزاری نہ کرے، کسی کا مذاق نہ اُڑائے، کسی کی عزت و آبرو سے نہ کھیلے اور ملک و ریاست کو خطرے میں نہ ڈالے اور اس کے خلاف سازش نہ کرے۔ ان شرائط کے ساتھ اسے اظہارِ رائے کی آزادی ہے۔ دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے جو اس پر اس نوعیت کی پابندی نہ لگاتا ہو۔ یہ اور بات ہے کہ آج بہت سی چیزوں کا شمار بے حیائی میں نہیں ہے،اس کی کھلی اجازت دے دی گئی ہے۔

ملک و ملت کی خدمت کا حق

یہ بھی انسان کا ایک بنیادی حق تسلیم کیا جاتا ہے اور اسلام میں یہ حق پہلے سے تسلیم شدہ ہے کہ انسان کو ملک و ملت کی خدمت اور تنقید و اصلاحِ حال کا موقع ملنا چاہیے۔ اس نے ترغیب دی ہے کہ جو شخص ملک اور قوم کی خدمت کرتا ہے وہ اس کا بہترین اور قابل قدر فرد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قوی مومن ضعیف مومن سے بہتر ہے۔'' (مسلم) اس لیے کہ طاقت ور مومن انسانوں کی، سماج اور معاشرے کی زیادہ خدمت کرے گا۔ جو کم زور ہے وہ کم خدمت کرے گا یا نہیں کر سکے گا۔ ایک موقعے پر آپؐ نے فرمایا کہ ''وہ مومن جو لوگوں سے ملتا جلتا ہے، ان کی تکلیفوں کو برداشت کرتا ہے وہ بہتر ہے اس سے جو نہ کسی سے ملتا ہے اور نہ تکلیفیں برداشت کرتا ہے۔''(ترمذی) قرآن کہتا ہے کہ یہ انسان کا حق ہے کہ وہ سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے۔ منافقوں سے کہا گیا کہ تمھاری سرگوشیاں تمھارے حق میں سود مند نہیں ہیں، اس لیے کہ یہ ایک طرح کی سازشیں ہیں۔ ہاں اگر تم لوگوں کی اصلاح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بات کرو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہوگا اور اللہ اجر عظیم سے نوازے گا۔(النساء: ۱۱۴)

دفاع کا حق

ایک اور چیز جس کا آج بڑا چرچا ہے وہ ہے حق دفاع۔ اس بات کو تو دنیا تسلیم کرتی ہے کہ ہر ایک کو دفاع کا حق ہے۔ کوئی شخص کسی کی جان لینا چاہے، کسی کی عزت و آبرو پر حملہ آور ہو یا کسی کا مال چھیننا چاہے، اس کی جائیداد پر قبضہ کرنا چاہے، اس کے گھر کو آگ لگانا اور اس کی بیوی بچوں پر حملہ کرنا چاہے، تو ظاہر ہے کہ وہ خاموش نہیں بیٹھے گا، اس کا دفاع کرے گا۔ لیکن اس میں بے احتیاطی دو طرف سے ہوتی ہے: کبھی تو دفاع کے نام پر آدمی ان حدود کا پابند نہیں ہوتا جن کا اسے لازماً پابند ہونا چاہیے اور کبھی دہشت گردی، تشدد یا کسی بھی عنوان سے آدمی کو دفاع کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسلام

میں دفاع کا بہت واضح تصور موجود ہے کہ دفاع کب ہونا چاہیے اور کیسے ہونا چاہیے؟ وہ کن حالات میں جائز ہے اور کس حد تک جائز ہے اور کہاں حدود سے تجاوز ہوتا ہے؟ یہ تمام چیزیں قرآن و حدیث میں مذکور ہیں اور ہمارے علماء وفقہاء نے اس کی تفصیلات سے بھی بحث کی ہے۔ دفاع انسان کا بنیادی حق ہے، لیکن اگر دفاع کے نام پر ظلم ہو تو یہ غلط ہے۔ یہاں انفرادی دفاع کا ذکر ہے۔ ریاست اور ریاست کے درمیان جو جنگ یا محاذ آرائی ہوتی ہے، یہ الگ موضوع ہے۔ اس سے یہاں بحث نہیں ہے۔

کم زوروں کے حقوق کا تحفظ

کسی جمہوری آئین کی ایک لازمی خصوصیت یہ سمجھی جاتی ہے کہ اس میں اقلیتوں اورکم زور طبقات کے لیے تحفظ فراہم کیا جائے، انھیں دوسروں کے مساوی حقوق دیے جائیں، ان کی حق تلفی نہ ہونے دی جائے اور انھیں ظلم و زیادتی سے بچانے کی تدبیر کی جائے۔

اسلام کے آنے سے پہلے کم زوروں کے حقوق عرب ہی میں نہیں، دنیا میں کسی بھی جگہ محفوظ نہیں تھے۔ ان کا بری طرح استحصال ہو رہا تھا اور ان پر ظلم و زیادتی آخری حد کو پہنچ چکی تھی۔ اسلام نے شروع ہی سے ان کے حق میں آواز اٹھائی اور ان پر جو ظلم و زیادتی ہو رہی تھی اس پر سخت وعید سنائی اور دنیا و آخرت میں اس کے برے انجام سے خبردار کیا۔ اس نے خواتین کے، زیر دستوں اور محکوموں کے، یتیموں، لاوارث بچوں، معذوروں، بوڑھوں اور ضعیفوں کے حقوق صرف بیان ہی نہیں کیے، بلکہ عملاً فراہم کیے اور معاشرہ کو ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کی ترغیب دی اور ہم دردی اور تعاون کا جذبہ پیدا کیا۔

مذہبی آزادی

حقوقِ انسانی کے علم بردار مذہبی آزادی کو بھی انسان کا ایک حق قرار دیتے

ہیں۔ اسلام نے بہت واضح الفاظ میں اس کا اعلان کیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو اپنے دین کا پابند بنا دیتا کہ کوئی اس سے بغاوت نہ کرتا۔ لیکن اس نے مذہب کے معاملے میں انسان کو آزادی دی ہے اور اس کی یہ آزادی باقی رہنی چاہیے۔ اسی میں اس کا امتحان ہے۔ حضور ﷺ سے کہا گیا کہ آپ منکرین حق کے بارے میں اس قدر فکر مند کیوں ہیں:

لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰهُمۡ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ (البقرۃ:۲۷۲)

آپ کی ذمے داری نہیں ہے کہ لازماً انھیں راہِ راست پر لے آئیں، بلکہ یہ اللہ کا کام ہے وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

یہ بھی بتایا گیا:

لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَيِّ ۚ (البقرۃ:۲۵۶)

دین کے سلسلے میں کوئی جبر نہیں ہے، ہدایت اور ضلالت واضح ہوچکی ہے۔

یعنی دین کے سلسلے میں کوئی جبر نہیں ہے، ہمارا کام یہ واضح کرنا تھا کہ ہدایت کیا ہے اور ضلالت کیا؟ وہ کر دیا گیا۔ اب یہ آدمی کا اختیار ہے کہ اسے قبول کرے یا نہ کرے:

فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ ۙ (الکہف:۲۹)

جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے انکار کردے۔

قرآن مجید نے کہا کہ مذہب پر گفتگو بھی ہوسکتی ہے، لیکن یہ گفتگو تہذیب کے دائرے میں ہونی چاہیے۔ ہدایت ہے: وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ؕ (النحل:۱۲۵) یعنی مذہب پر گفتگو ہو تو سلیقے اور تہذیب سے ہو، اس کے لیے غلط اور ناشائستہ انداز نہ اختیار کیا جائے۔ ہمارے علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلامی ریاست میں علی الاعلان یہ کہتا ہے کہ میں قرآن مجید کو اللہ کی کتاب نہیں مانتا، محمد ﷺ کو اللہ کا رسول نہیں تسلیم کرتا تو بھی اسلامی حکومت اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرے گی۔ ہاں اگر

وہ بدزبانی پر اتر آئے تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کی شان میں یا حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ یا کسی بھی پیغمبر کی شان میں گستاخی قابل تعزیر جرم ہے۔ اس کے ارتکاب پر اسلامی ریاست قتل کی سزا تک دے سکتی ہے۔ اسی طرح کسی بھی مذہب کے بانی یا اس کی محترم شخصیات کی توہین وتحقیر اور اس کے متعلق بدکلامی سزا کی مستحق ہوگی اور قانون کے مطابق اس پر سزا دی جائے گی۔

حکومت نفاذِ قانون کی ذمہ دار ہے

اسلام کے نزدیک یہ ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ دیکھے کہ قانون پر ٹھیک ٹھیک عمل درآمد ہو رہا ہے اور اس کی روح (spirit) کہیں مجروح تو نہیں ہو رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

الأمیر الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہٖ (بخاری ومسلم)	امیر جو لوگوں کا نگراں ہے وہ چرواہا ہے۔ اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔

اسلامی ریاست کا امام غیر ذمہ دار فرد نہیں ہوتا، بلکہ جس طرح ایک چرواہا بکریوں کے ریوڑ کا نگراں ہوتا ہے اسی طرح امام بھی اپنی رعیت کا نگراں ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت کسی بادشاہ کی نہیں، بلکہ چرواہے کی ہے جو یہ دیکھتا رہتا ہے کہ کہیں کسی پر ظلم تو نہیں ہو رہا ہے۔ ریاست میں کسی بھی فرد کا کوئی حق ضائع ہوتو خدا اور مخلوق کے سامنے وہ جواب دہ ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو حقوق کسی فرد یا طبقہ کو لازماً ملنے چاہئیں اسلام وہ تمام حقوق فراہم کرتا اور انسان کے فطری تقاضوں کی بہتر انداز میں تکمیل کرتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ دنیا ہی کی کام یابی کا نہیں، آخرت کی فوز وفلاح کا بھی ضامن ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دونوں جہان کی کام یابی کے لیے کسی دستور اور کسی ضابطۂ حیات کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔